شریعت اسلامی
اور قرآن حکیم کے ساتھ ہمارا طرزِ عمل!
اور اس کے خوفناک نتائج و عواقب
آیاتِ قرآنی کے آئینے میں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے انیسویں سالانہ اجلاس کے موقع پر
—— صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب ——

نَحمدُہٗ و نصلّی علٰی رَسُولہِ الکریم

حضرات! آج کے دن کے لئے میں نے یہ طے کیا ہے کہ بجائے کسی رسمی نوعیت کے خطاب کے، قرآن حکیم ہی کی چند آیات کا درس دیا جائے۔ یوں اس کا ربط آج کل ہمارے انجمن کے ماہانہ درس کا جو پروگرام چل رہا ہے، اس کے ساتھ بھی قائم ہو جائے گا۔

آج کے درس کے لئے میں نے سورۃ السجدہ کی آیت نمبر ۲۱ تا ۲۵ کا انتخاب کیا ہے اور اس کا میں ربط قائم کرنا چاہتا ہوں وقت کے سب سے اہم مسئلے یعنی شریعت بل کے ساتھ، جس پر آج جمعے میں بھی میں نے ڈیڑھ گھنٹے کی مفصّل گفتگو کی ہے۔ اس پہلو سے مناسب ہوگا کہ سورۃ السجدہ کی آیات پر براہِ راست گفتگو سے قبل خطابِ جمعہ میں بیان کردہ سورۃ المائدہ کی آیات کی بھی مختصر تشریح اور ترجمہ آپ کے سامنے پیش کر دوں۔

سب سے پہلے ہمیں سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۴۴ پر اپنی توجہات کو مرتکز کرنا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ

"ہم نے ہی تورات نازل فرمائی تھی، اس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا"

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا

"اسی کے مطابق فیصلے کرتے تھے وہ انبیاء جو خود بھی اللہ کے فرمانبردار تھے"

© rasailojaraid.com

گویا اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کے لئے سب سے پہلا Pre-requisite یا اولین شرط یہ ہے کہ اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے والے پہلے خود اللہ کی شریعت کی پابندی کریں' ورنہ یہاں لفظ انبیاء کے ساتھ لفظ اسلام کی وضاحت اور صراحت غیر ضروری قرار پائے گی کہ نبی کا مقام تو بہت بلند ہوتا ہے اور اس کی فرمانبرداری مسلّم ہوتی ہے۔ انبیاء یہ فیصلے کن کے لئے کرتے تھے؟ فرمایا:

لِلَّذِيْنَ هَادُوْا "یہودیوں کے لئے"

اس لئے کہ تورات پوری نوعِ انسانی کے لئے نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ سورۂ بنی اسرائیل میں وارد شدہ الفاظ "هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ" کے مطابق صرف بنی اسرائیل کے لئے رہنما بن کر نازل ہوئی تھی۔ اب اگلے الفاظ پر توجہ کیجئے: وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ کہ محض انبیاء ہی نہیں یہود کے ربانی اور احبار بھی یہی فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ "ربّانی" کا مفہوم ہے اللہ والا' ربّ والا۔ ہمارے ہاں "ولی اللہ" کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ آج بھی یہودیوں کے یہاں ربانی کا لفظ ذرا سی تبدیلی کے ساتھ "ربائی" کے نام سے رائج ہے۔ احبار کے معنی ہیں علماء۔ "حبر" بہت بڑے عالم کو کہتے ہیں۔ اسی معنی میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو "حبر الامۃ" کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے خصوصی دعا فرمائی تھی: "اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ" کہ اے اللہ اس نوجوان کو دین کا فہم عطا فرما اور تاویل و تفسیر کا خصوصی علم عطا فرما۔ تو جو کام اللہ کے نبی کیا کرتے تھے' وہی اس امت یعنی یہود کے علماء اور ربانی کیا کرتے تھے' اس میں گویا اشارہ کر دیا گیا کہ امتِ مسلمہ میں بھی یہ کام علماء و صوفیاء کے کرنے کا ہے۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں۔ ان آیات میں ان کی ذمہ داری کے ضمن میں دو اصطلاحات اور آ رہی ہیں:

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ

"بسبب اس کے کہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ تھے اس پر گواہ اور نگران!"

ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ اللہ کی کتاب کی حفاظت اور نگرانی کریں اور اس پر گواہ بن کر کھڑے ہو جائیں۔ یعنی حدود اللہ کی نگہداشت و حفاظت اللہ والوں اور علماء کی سب سے

om

بڑی ذمہ داری ہے۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ

"پس لوگوں سے مت ڈرو' (بلکہ) مجھی سے ڈرو!"

درحقیقت "حُکم بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہ" یعنی اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے میں جو چیز سب سے بڑی رکاوٹ بنتی ہے' وہ لوگوں کی ناپسندیدگی ہوتی ہے۔ ہر دم یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ یہ شریعت کی بات شاید لوگوں کو پسند نہ ہو' شاید اس دَور کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو' یہ بات شاید ہمارے آقاؤں کو پسند نہ آئے' وغیرہ۔ آگے فرمایا:

وَلَا تَشْتَرُوا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا

"اور میری آیات کے عوض حقیر سی قیمت قبول نہ کرو"

دنیوی مفادات خواہ چھوٹے ہوں' خواہ بڑے' وہ درحقیقت حقیر ترین شے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ (النساء: ۷۷) اور حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "اگر دنیا و مافیہا کی قیمت اللہ کے ہاں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو یہاں سے ایک گھونٹ پانی بھی عطا نہ کرتا"۔ گویا یہاں اللہ کے دین کے ساتھ کسی بھی قسم کی مداہنت سے منع کیا جا رہا ہے کہ دنیوی مفادات کی خاطر میری آیات اور میرے احکام کی سودے بازی مت کرو!

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ○

"اور جو کوئی اللہ کی اتاری ہوئی (شریعت اور قانون) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی کافر ہیں"۔

یہ بہت بڑا فتویٰ ہے اور مفتی کون ہے؟ خود اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ یہ حق اسی کا ہے کہ معیّن کرے کہ کون مومن ہے اور کون کافر یا منافق، چاہے وہ قانونی طور پر کافر نہ ہو۔ جیسا کہ اس وقت پوری دنیا کے مسلمان انفرادی گوشوں میں تو چاہے مسلمان ہوں' مومن ہوں' لیکن اس آیۂ مبارکہ کی رُو سے اجتماعی طور پر سب پر کُفر کا اطلاق ہو رہا ہے' کیونکہ ہم شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کر رہے۔

آگے آیت نمبر ۴۵ کے آخر میں پھر فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

© rasailojaraid.com

"اور جو اللہ کی نازل کردہ (شریعت اور قانون) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو ظالم ہیں"۔

اور ظالم کی اصطلاح قرآن مجید میں خاص طور پر مشرک کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ ہم چاہے بڑے موحّد بنے پھرتے ہوں کہ ہم بتوں کو یا قبروں کو سجدہ نہیں کرتے' لیکن ان الفاظِ قرآنی کی رُو سے قومی سطح پر ہم سب مشرک ہیں' کیونکہ ہم اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کر رہے۔

اسی طرح آیت نمبر ۴۷ کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ○

"اور جو اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو فاسق ہیں"

اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت اور اس کے قانون کے مطابق فیصلے نہ کرنے کے جرم کی شدت کا اندازہ ذرا اس سے کیجئے کہ ایسے لوگوں کو ایک ہی رکوع میں کافر' ظالم اور فاسق قرار دیا گیا ہے۔

اب میں اسی رکوع کی آخری دو آیات آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ ان آیات میں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ فرمایا:

وَاَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ

"اور (اے نبیؐ) آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کریں"۔

پہلے تورات والوں کے لئے تورات کے مطابق اور انجیل والوں کے لئے انجیل کے مطابق فیصلے کرنے کا حکم تھا' لیکن جب آپؐ پر قرآن نازل ہوا تو اب آپؐ کا فرض ہے کہ جو آپؐ پر نازل فرمایا گیا اس کے مطابق فیصلے کریں۔

وَلَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ

"اور آپؐ ان کی خواہشات کی ہرگز پیروی نہ کریں"۔

آپ پر خواہ کتنا ہی دباؤ ڈالا جائے' لیکن آپؐ اللہ کے حکم میں کوئی مداہنت کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوں۔ اگلے الفاظ اس سے بھی زیادہ اہم ہیں:

وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ

"اور ان سے ہوشیار رہیے کہ مبادا یہ آپؐ کو کسی ایسی چیز سے بچلا دیں جو اللہ نے آپؐ پر نازل فرمائی"۔

یہاں منافقین کی طرف اشارہ ہے' جو نام کے مسلمان تھے مگر آپؐ کو دباؤ کے ذریعے اللہ کی شریعت سے منحرف کر دینے کے خواہاں رہتے تھے' کہ آپؐ ان سے خبردار رہیے' ان کی چالوں اور سازشوں سے چوکنے اور ہوشیار رہیے' کہ کہیں یہ آپ کو کسی ایسی چیز سے منحرف ہونے پر مجبور نہ کر دیں' جو اللہ نے آپؐ پر نازل فرمائی ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ

"پھر اگر یہ پیٹھ موڑ لیں تو (اے نبی) جان لیجئے کہ اللہ اس بات کا ارادہ کر چکا ہے کہ ان پر عذاب نازل کرے ان کے بعض کرتوتوں کی پاداش میں"۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝

"اور حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد فاسقین پر مشتمل ہے"۔

یہ آیت ہماری آج کی صورت حال سے بہت ہی زیادہ متعلق ہے کہ قیامِ پاکستان کے ۴۵ برس بعد بھی یہاں نفاذِ شریعت کے بارے میں بہت ہی کم پیش رفت ہو سکی ہے۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم اپنے فسق و فجور کی روش ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

اب میں سورۃ الروم کی آیت نمبر۴۱ کی طرف آ رہا ہوں' کیونکہ جیسا کہ اس آیت میں الفاظ آئے ہیں: "بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ" (ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں)' یہی مضمون سورۃ الروم کی اس آیت میں ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ
لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

"بر و بحر میں فساد رونما ہو چکا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے' تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں مزہ چکھائے ان کے بعض اعمال کا' شاید کہ وہ لوٹ آئیں"۔

اس آیت کا آخری ٹکڑا (لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ) بہت اہم ہے کہ شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔ اگر انسان کو فراوانی سے رزق مل رہا ہو' عیش و آرام میسر ہو' تو انسان پر غفلت زیادہ

© rasailojaraid.com

طاری ہوتی ہے' لہٰذا ہم انہیں خوابِ غفلت سے جگانا چاہتے ہیں۔ ان کو چھوٹے چھوٹے عذابوں کے ذریعے جھنجھوڑنا چاہتے ہیں' شاید کہ یہ لوٹ آئیں۔

اب یہیں سے سورۃ السجدہ کی ان آیات کا سلسلہ جڑ رہا ہے' جن کا میں نے خاص طور پر آج کے لئے انتخاب کیا ہے:

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○

"اور ہم انہیں لازماً مزہ چکھائیں گے چھوٹے عذاب کا' بڑے عذاب سے پہلے' شاید کہ یہ لوٹ آئیں"۔

یہ آیت اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس میں عذاب کے بارے میں دو الفاظ آئے ہیں: عَذَابِ الْأَدْنَى اور عَذَابِ الْأَكْبَرِ۔ ادنیٰ کا معنی ہے قریب کا یعنی چھوٹا عذاب۔ اور اکبر' سب سے بڑا عذاب۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں "عذابِ اکبر" سے مراد وہ عذاب ہے جس کے نتیجے میں کسی قوم کو نسیًا منسیًا کر دیا جاتا ہے اور اس کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے۔ جیسے عاد' ثمود' قومِ لوطؑ اور آلِ فرعون وغیرہ پر اللہ کے عذاب اس شدت سے آئے کہ ان قوموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

"كَأَنْ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا" (ایسے ہوگئے جیسے وہاں تھے ہی نہیں)

اور

"لَا يُرَى إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ" (اب نہیں دکھائی دیتے مگر ان کے مسکن)۔

ان کے بنائے ہوئے عظیم الشان گھر موجود ہیں' لیکن ان گھروں کے مکین نہیں رہے' صرف کھنڈرات موجود ہیں۔ جیسے کہ آج بھی غرناطہ میں الحمراء محل اور قرطبہ میں مسجدِ قرطبہ موجود ہیں' مگر وہ مسلمان جنہوں نے یہاں آٹھ سو برس تک حکومت کی' اب کہیں نظر نہیں آتے۔ قرطبہ میں اگرچہ مسلمانوں کو ذرا پہلے بے دخل کر دیا گیا تھا' لیکن یہ جو جنوبی علاقہ ہے جس میں غرناطہ واقع ہے' اس میں مسلمانوں کی حکومت پورے آٹھ سو برس تک رہی ہے۔ اور "عذابِ ادنیٰ" سے وہ چھوٹے عذاب مراد ہیں جو لوگوں کو چونکانے اور بیدار کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں تاکہ وہ ہوش میں آجائیں۔

اس وقت ہمارے ہاں صورت حال یہ ہے کہ عذابِ ادنیٰ کا ایک کوڑا ہماری پشت پر پڑا تھا تو پاکستان دو لخت ہوا تھا۔ ہمارے ۹۳ ہزار کڑیل جوان اس ہندو کی قید میں رہے

جس پر ہم نے کم سے کم آٹھ سو برس حکومت کی تھی۔ ویسے اندرا گاندھی نے تو اسے اپنی ایک ہزار سالہ شکست کا انتقام قرار دیا تھا' لیکن بہرحال ۱۲۰۶ء سے ۱۸۰۰ء تک ساڑھے چھ سو برس تو دلّی میں ہماری حکومت رہی' جبکہ موجودہ پاکستان کے علاقے میں تو ایک ہزار برس پہلے سے ہماری حکومت شروع ہو چکی تھی۔ اس اعتبار سے یہ اوسطاً آٹھ سو برس بنتے ہیں۔ اللہ کا پہلا عذاب تو ہم پر یہ آیا کہ ہم سے حکومت چھین کر انگریز کو دے دی گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں پاکستان دیا اور اس کے قیام کے ۲۵ برس بعد تک ہمیں مہلت دی' اس لئے کہ وہ بہت حلیم ہے۔ لیکن اسلام کی طرف ہماری کوئی پیش رفت نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں عذابِ ادنیٰ سے بایں صورت دوچار کیا گیا کہ پاکستان بالکل ختم نہیں کیا گیا' بلکہ اس کا ایک بازو کٹ کر بنگلہ دیش بن گیا۔ اور اب پھر مزید ۲۵ برس پورے ہونے کو آ رہے ہیں! قیامِ پاکستان کو نصف صدی گزرنے میں بمشکل ۳ برس باقی رہ گئے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ بڑا ہی قابلِ غور مسئلہ ہے!

اب اگلی آیت پر توجہ مرکوز کیجئے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ○

"اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہو گا' جسے اُس کے ربّ کی آیات کے ذریعے سے یاددہانی کرائی گئی ہو' اس کے باوجود اُس نے ان (آیات) سے اعراض کیا۔ ایسے مجرموں سے تو ہم لازماً انتقام لے کر رہیں گے"۔

اس آیۂ مبارکہ کو بھی اپنے حالات پر منطبق کر کے دیکھئے۔ اس ملک میں رجوع الی القرآن کی ایک بھرپور دعوت گزشتہ ربع صدی سے جاری و ساری ہے۔ دروسِ قرآنی کے ایک وسیع سلسلے' ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" اور دیگر متعدد ذرائع سے یہاں آیاتِ ربّانی کے ذریعے جو تذکیر کروائی گئی ہے' وہ ہم پر اتمامِ حجت بن سکتی ہے۔ آیت کے آخری الفاظ بہت سخت ہیں' جہاں "مُنْتَقِمُوْنَ" اسم فاعل لایا گیا ہے جو تاکید کے لئے آتا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ "نَنْتَقِمُ" کہ ہم انتقام لیں گے' بلکہ فرمایا: اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ○ کہ ہم ایسے مجرموں سے تو لازماً انتقام لے کر رہیں گے۔ یہ وہ صورت حال ہے جس کے زمرے میں قومی سطح پر ہم سب آتے ہیں۔ اور وابستگانِ انجمنِ خدّام القرآن بھی اس سے

© rasailojaraid.com

بری الذّمہ نہیں۔ ہم سب پاکستان کی مسلمان قوم کے افراد ہیں، ہم سب اس ملک کے شہری ہیں، اور ہم سب اللہ کی نگاہ میں مجرم ہیں۔ یہ نہ سمجھئے کہ کوئی خاص فرد، خاص طبقہ یا گروہ اس کا ذمہ دار ہے ------ بلکہ جو بھی یہاں کی فضا میں سانس لے رہا ہے اور یہاں کی سرزمین سے اُگنے والا اناج کھا رہا ہے، اگر اس نے اپنا سارا زور یہاں اسلام کے نظام کو قائم کرنے کے لئے صرف نہ کر دیا تو وہ اس جرم میں ملوّث شمار ہوگا۔ مستثنٰی صرف وہی ہوگا جس نے اپنا تَن مَن دَھن اس مقصد کے لئے لگا دیا ہو۔ یہ ملک اسلام کے نام پر لیا گیا تھا اور پھر یہاں دعوتیں بھی اٹھی ہیں، تحریکیں بھی چلی ہیں، اور ایک براہ راست خالصتاً قرآن کی دعوت کا وسیع پیمانے پر چرچا بھی ہوا ہے، لیکن اس سب کے باوجود اگر ہم یہاں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام اور اسلامی شریعت کے نفاذ سے دُور ہیں، تو ہم سب بہت بڑے خطرے سے دوچار ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارا قومی وجود، ہماری آزادی اور ہمارا جداگانہ تشخّص، سب کے سب ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار ہیں۔

اصلاحِ احوال کے ضمن میں ہماری کوشش و کاوش

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورتِ حال میں کیا کیا جائے؟ اس کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ ایک عوامی تحریک برپا کی جائے جس کے بارے میں میں متعدد بار گفتگو کر چکا ہوں کہ اس کی کیا شرائط ہوں۔ سب سے پہلے یہ کہ اس کے لئے ایسے لوگ جمع ہوں جو پہلے اپنے آپ پر اور کم سے کم اپنے گھروں میں اسلام کا نفاذ کریں۔ اگر یہ منزل طے نہیں کر سکتے اور باہر آ کر اسلام کا نعرہ لگاتے ہیں تو یہ محض ایک فریب اور دھوکہ ہے۔ جو لوگ خود اپنے گھروں میں اور اپنی ذات پر اسلام کا نفاذ نہ کر سکتے ہوں اور پورے ملک میں اسلام کے نفاذ کے داعی بن کر کھڑے ہو جائیں تو ایسے لوگ اس جدوجہد میں مخلص قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ دوسری شرط یہ کہ عوامی تحریک کے لئے لوگوں کو اتنا منظم ہونا چاہئے کہ وہ ایک نظم کے اندر رہتے ہوئے ایجی ٹیشن اور مظاہرے کریں۔ غیر منظم اور غیر تربیت یافتہ لوگوں کے ہاتھوں کوئی مثبت کام کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ تیسری شرط یہ کہ یہ تحریک مکمل طور پر پرامن ہو۔ اور اسے لے کر چلنے والی جماعت اس کی پوری ذمہ داری

قبول کرے کہ اگر کوئی توڑ پھوڑ ہوئی تو ذمہ داری ہماری ہوگی۔ ہم تنظیم اسلامی کے نام سے ایک ایسی ہی تنظیم منظم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ ایک عوامی تحریک برپا کی جا سکے۔ اس موضوع کا تعلق اگرچہ انجمن خدام القرآن سے ہے' تاہم میں ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ سب باتیں آپ حضرات کے سامنے بھی آ جائیں۔ میں تو دیگر مذہبی اور دینی جماعتوں سے بھی بار بار درخواستیں کر رہا ہوں' ان کی خوشامدیں کر رہا ہوں کہ خدارا اپنے آپ کو اس پاور پالیٹکس سے الگ کر کے نفاذِ اسلام کی عوامی تحریک چلانے کی کوشش کرو۔

اب میں دوسری بات کی طرف آ رہا ہوں جس کا تعلق اگلی آیت سے ہے۔ فرمایا:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَائِهِ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ

"ہم نے ہی موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تھی' تو (اے نبیؐ) آپ ہرگز شک میں نہ رہیں اس کی ملاقات سے' اور اسے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا"۔

اس آیت کا درمیانی ٹکڑا "فَلَا تَكُن فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَائِهِ" علمی بحث کا حامل ٹکڑا ہے' جس کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ ایک یہ کہ شبِ معراج میں حضورؐ کی جو ملاقات حضرت موسیٰؑ سے ہوئی تھی' اس کی طرف اشارہ ہے کہ اے نبیؐ" آپ اس میں شک مت کیجئے' ملاقات حضرت موسیٰؑ سے ہی ہوئی تھی۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس کتاب کے مِن جانب اللہ ہونے میں کوئی شک نہ کیجئے یا قرآن کے مِن جانب اللہ ہونے میں کوئی شک نہ کیجئے۔ اور اگلی آیت جس کی طرف میں خاص طور پر توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ○

"اور ہم نے ان میں ایسے امام اٹھائے' جو رہنمائی کرتے تھے لوگوں کی ہمارے حکم سے (ہمارے اذن اور ہماری توفیق سے) جبکہ انہوں نے صبر کی روش اختیار کی۔ اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھنے والے تھے۔

© rasailojaraid.com

یہ موضوع اصل میں انجمنِ خدام القرآن کا ہے۔ انجمن کا مقصد کیا ہے؟ قرآن کی ہدایت کو عام کرنا! اور اس کے لئے آج کل ابلاغ کے جو بھی وسائل و ذرائع ہیں، انہیں بروئے کار لاتے ہوئے ہم اس ہدایتِ قرآنی کو عمومی سطح پر پھیلانے کی اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔ انجمن کے پیش نظر دوسرا اہم کام ایسے نوجوانوں کی تربیت کا ہے جو ہدایتِ قرآنی کو وقت کی علمی سطح پر پیش کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو ان کے لئے قرآن کی ہدایت کو وعظ کی سطح پر پیش کرنا بھی بہت بڑی خدمت ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ وعظ نے ہماری امتِ مسلمہ کی تاریخ میں بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔ اسی سے لوگوں کے دلوں سے غبار دُھلتے تھے اور اچھے جذبات ابھرتے تھے۔ چنانچہ عوامی سطح پر وعظ کی اہمیت آج بھی مسلّم ہے۔ تاہم اس سطح پر بھی وعظ و نصیحت قرآن ہی کے ذریعے سے ہونی چاہئے۔ بلکہ قرآن تو خود اپنے آپ کو "موعظت" سے تعبیر کرتا ہے۔ سورۂ یونس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ الخ

"اے لوگو! تمہارے پاس آ چکی ہے یہ موعظت تمہارے رب کی طرف سے، جو ان روگوں کا علاج بھی ہے جو سینوں کے اندر ہیں"۔

تو وعظ و نصیحت کے علاوہ تزکیہ بھی اسی قرآن کے ذریعے سے ہونا چاہئے۔ لوگوں کے اندر نیکی کے جذبات ابھریں گے تو قرآن ہی کے ذریعے ابھریں گے۔ لیکن اس عوامی سطح سے اہم تر سطح وہ ہے جو ہمارے معاشرے کی علمی سطح ہے۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ذہین لوگوں کی سوچ کی سطح (Intellectual Level) پر ہدایتِ قرآنی کو پیش کرنے کے لئے نوجوانوں کی ایک جماعت کو تیار کیا جائے۔ اور درحقیقت قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج کی مختلف اسکیموں، مثلاً فیلوشپ اسکیم، دو سالہ کورس اور ایک سالہ کورس وغیرہ کا مقصد یہی ہے کہ "وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا" کے قرآنی الفاظ کے مصداق ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک کھیپ تیار ہو جائے جو باصلاحیت و باہمت ہوں، اور پھر لوگوں سے آج کی علمی سطح کے مطابق گفتگو کر سکیں۔

ایسے نوجوانوں کے اندر دو شرائط لازمی ہیں جو اسی آیۂ مبارکہ میں مذکور ہیں: (۱)

om

"لَمَّا صَبَرُوْا" کہ انہیں صبر کرنا ہوگا۔ اپنے کیریئرز کا نقصان گوارا کرنا ہوگا' کیونکہ اگر کسی کو "خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ" والا کام کرنا ہے تو پہلی شرط تو یہ پوری کرنا ہوگی کہ صبر کرنا ہوگا۔ دنیا میں کم سے کم پر قناعت کرکے اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں اس مقصدِ عظیم کے لئے وقف کردینی ہوں گی۔ (۲) "وَکَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ" کے مصداق خود انہیں قرآن پر ذاتی یقین (Personal Conviction) حاصل ہونا ضروری ہے۔ اگر ذاتی یقین پیدا ہو تب ہی وہ جذبہ ابھرے گا کہ یہ سب سے بڑی دولت ہے۔ "ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ"۔ دوسرے لوگ جو کچھ مال و اسباب جمع کر رہے ہیں اس سے کہیں بڑی دولت یہ قرآن ہے۔ میں دعا کرتا ہوں اور آپ بھی یہ دعا کریں کہ جن نوجوانوں نے بھی اپنا وقت فارغ کرکے ہماری دو سالہ اور ایک سالہ تعلیمی اسکیموں سے استفادہ کیا ہے اور کر رہے ہیں' ان میں سے اللہ تعالیٰ ایسے نوجوانوں کی ایک کھیپ معتد بہ تعداد میں نکال دے۔

میں پہلے بھی اپنے اس تاثر کا اظہار کرچکا ہوں کہ میں اللہ کے فضل و کرم سے مطمئن ہوں کہ میرے اندر جو توانائیاں' قوتیں اور صلاحیتیں تھیں وہ میں نے اس راہ میں لگا دیں اور میرے لئے یہ معاملہ ایک بڑے اطمینان کا موجب ہے کہ اب تک کم سے کم بیس پچیس ایسے نوجوان تیار ہوگئے ہیں جن میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ جس انداز سے میں نے قرآن حکیم کو پیش کیا ہے اسی انداز سے وہ بھی پیش کرسکتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کے اندر محنت کا وہ مادہ پیدا نہ ہو جو اس کام کے لئے مطلوب ہے' یا ان میں اس سے گہری شیفتگی پیدا نہ ہو' وہ اس طور پر صبر نہ کرسکیں اور دنیا اور اس کی رعنائیاں انہیں اپنی طرف کھینچ لے جائیں۔ چنانچہ اگر وہ "لَمَّا صَبَرُوْا وَکَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ" کی شرائط پوری کرلیں تو وہ آج کی علمی سطح پر قرآن حکیم کو پیش کرسکتے ہیں۔ وہ بحمد اللہ اس صلاحیت سے مسلح ہوچکے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ میں تو انہیں یہی کچھ دے سکتا تھا جو میں نے دے دیا ہے' باقی اللہ تعالیٰ کا فضل جس کے شاملِ حال ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کو بھی اس کی توفیق ملے وہی یہ کام صحیح معنوں میں کرسکتا ہے۔ آپ بھی ان نوجوانوں کے لئے دعا کریں' کیونکہ سب سے بڑی دولت قرآن ہے' مال و اسباب نہیں۔ اور ان میں اگر یہ باتیں پیدا ہو جائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ دعوت آگے بڑھے

© rasailojaraid.com

گی' پھلے پھولے گی اور اس کی برکات ظاہر ہوں گی۔
آج کے اس اجلاس میں پیش کردہ انجمن کی سالانہ رپورٹ میں میری کتاب "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر" کا تذکرہ بھی ہوا ہے۔ یہ کتاب میں نے پچھلے سال بڑی محنت کر کے تیار کی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ انجمن کے وابستگان میں سے کتنوں نے اس کو پڑھا ہے۔ آپ میں سے جس نے اسے نہیں پڑھا اس سے مجھے شکایت بھی ہے اور شکوہ بھی! مجھے بتائیے کہ آپ کی انجمن سے وابستگی کے معانی کیا ہیں اگر آپ وہ کتاب بھی نہیں پڑھ سکتے جس میں آپ کو میری پچیس برس کی محنت کا جو بھی حاصل ہے اس سے واقفیت حاصل ہوگی۔ پھر یہ کہ اس دعوت کا تاریخی پس منظر کیا ہے۔ برعظیم پاک و ہند میں رجوع الی القرآن کی تحریک شروع کہاں سے ہوئی۔ یہاں کے مسلمان کا رشتہ تو قرآن سے کٹا ہوا تھا اور وہ ؎

"خوار از مہجوریٔ قرآں شُدی — شکوۂ سنجِ گردشِ دوراں شُدی"

کے مصداق قعرِ مذلت میں گر چکا تھا۔ ایسے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے رجوع الی القرآن کی تحریک کا آغاز فرمایا۔ اس کتاب میں میں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ تحریک کن کن مراحل سے گزری ہے اور اب ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس میں کیا کیا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ الحمدللہ ہم اس قافلے کے شریک ہیں جس کے قائد شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہیں۔ ان کے چاروں صاحبزادوں نے قرآن حکیم کی تفسیریں لکھی ہیں۔ ان میں سے اگرچہ صرف دو یعنی شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور ان کے تراجم مشہور ہوئے ہیں لیکن دوسرے دو صاحبزادوں نے بھی ترجمہ و تفسیر کا کام کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کی تفسیرِ عزیزی اور شاہ عبدالغنی کا ترجمۂ قرآن آج بھی موجود ہیں' صنم خانۂ ہند میں از سرِنو قرآن کی شمع روشن کی۔ اس کے بعد جو بھی سلسلے چلے ہیں' میں نے اس کتاب میں سب لکھے ہیں۔ پھر یہ کہ آج اسلام کو کس درجے پر پیش کرنے کی ضرورت ہے' یہ میں "اسلام کی نشاۃ ثانیہ - کرنے کا اصل کام" میں پہلے سے واضح کر چکا تھا' جسے درِاصل اس انجمن کے "Manifesto" کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ تحریر میں نے ۱۹۶۷ء میں لکھی تھی اور اس میں ایک قرآن اکیڈمی کا خاکہ پیش کیا تھا اور میں بڑا مطمئن ہوں کہ میرے اس تصور نے میری زندگی ہی میں عملی صورت اختیار کر لی۔ ورنہ آدمی ایک

خواب دیکھ لے اور وہ خواب اس کی زندگی میں پورا نہ ہو تو ظاہر بات ہے کہ دنیا سے حسرت لے کر جائے گا۔

علامہ اقبالؒ نے خواب دیکھا تھا کہ ایک ایسی درسگاہ بنائی جائے جہاں گریجویٹس کو قرآن پڑھایا جائے، لیکن یہ خواب وہ اپنے ساتھ ہی لے کر قبر میں چلے گئے۔ حالانکہ اس کے لئے نیاز علی صاحب نے زمین وقف کر دی تھی اور عمارتیں بھی بن گئی تھیں۔ لیکن اس کے لئے مطلوبہ معیار کے معلم ہی دستیاب نہ ہو سکے۔ علامہ اقبال وہاں پر گریجویٹس کو قرآن اور دیگر علوم دینیہ کی تعلیم انگریزی میں دینا چاہتے تھے (یاد رہے کہ یہ ۱۹۳۰ء کے گریجویٹس تھے) اور ان کا خیال تھا کہ مصر سے ایسا عالم میسر آ جائے گا جو تعلیم و تدریس کا یہ فریضہ سرانجام دے سکے۔ لیکن اس کے لئے جب انہوں نے جامعۃ الازہر کو خط لکھا تو وہاں سے جواب نفی میں ملا۔ چنانچہ وہ اسکیم جُوں کی توں رہ گئی۔ یہی خواب کبھی مولانا ابوالکلام آزاد نے دیکھا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ قرآن کے ایسے مبلغین پیدا کئے جائیں جو پورے ملک میں پھیل کر لوگوں میں قرآن کا پیغام پھیلائیں۔ اس کے لئے انہوں نے دارالاشاعت قائم کیا، جس کی عمارت کی تعمیر کے بعد کام کا آغاز بھی ہو گیا تھا۔ مگر چونکہ وہ خود ملک کی سیاست کے اندر صرف گھٹنوں تک ہی نہیں بلکہ گردن تک پھنس گئے، لہٰذا وہ کام نہیں ہو سکا۔

اس پس منظر میں میں اپنے آپ کو نہایت خوش قسمت انسان سمجھتا ہوں کہ میں نے ۱۹۶۷ء میں ایک خواب دیکھا تھا، جبکہ اس کے لئے وسائل و ذرائع بھی بہت محدود تھے۔ جب میں نے کام شروع کیا تھا تو یکمشت پانچ پانچ ہزار روپے چندہ دینے والے بمشکل بیس افراد مل سکے تھے۔ اور اس طریقے سے میں نے اس وقت ایک لاکھ روپے کا بجٹ جمع کیا تھا۔ اور اس ایک لاکھ روپے سے کام کا آغاز کرنے والی انجمن کے آج صرف اثاثے (Assets) دو کروڑ روپے کے ہیں۔ یہ بات خود میرے لئے حیرت کا باعث ہے۔ بہرحال میں پورے اطمینان سے کہہ سکتا ہوں کہ اس میں نہ کوئی پٹرو ڈالر ہے، نہ کسی شیخ کی مدد ہے، اور نہ ہی کسی مقامی یا بیرونی حکومت کا ایک پیسہ بھی اس میں شامل ہے۔ باقی جہاں تک خرچ کا تعلق ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آج تک انجمن کے پیسے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ حسابات کے ضمن میں اللہ نے آغاز ہی میں ایک بات سمجھا دی تھی، جس کے

© rasailojaraid.com

مطابق یہ معاملات بڑی خوش اسلوبی سے چل رہے ہیں۔ چنانچہ انجمن کا ایک اکاؤنٹ (CA/I) وہ ہے جس میں انجمن کے نام تمام رقوم جمع ہوتی ہیں' لیکن اس میں سے نقد ایک پیسہ بھی نہیں نکلوایا جا سکتا۔ اخراجات کے لئے دوسرا اکاؤنٹ (CA/II) ہے۔ میرے چیک سے رقوم (CA/I) سے (CA/II) میں منتقل ہوتی ہیں' جہاں سے اخراجات کے لئے ناظمِ اعلیٰ اور ناظمِ بیت المال مشترکہ طور پر رقم نکلوا سکتے ہیں۔

بہرحال آج اللہ کے فضل و کرم سے اکیڈمی بھی قائم ہے اور اس کی کوکھ سے قرآن کالج بھی جنم لے چکا ہے' جس پر قرآن آڈیٹوریم کا تاج بھی رکھا جا چکا ہے۔ مزید برآں کراچی میں اکیڈمی کی تعمیر شروع ہو چکی ہے جس پر ۴۵ لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ اس کے اوپر جو ہال بنے گا وہ ہمارے اس مسجد ہال سے تین گنا بڑا ہوگا۔ اس مرتبہ دورۂ ترجمۂ قرآن میں وہاں خاصی رونق رہی ہے۔ ستائیسویں شب کو تو نیچے کا پورا ہال اور اوپر کی پوری چھت کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ شبِ جمعہ میں بھی کم از کم چار پانچ سو افراد پوری رات موجود رہتے تھے۔ دورۂ ترجمہ کا یہ پروگرام سوا نو بجے سے سوا تین بجے تک جاری رہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اتنی دور دراز جگہ پر اتنے لوگ درسِ قرآن ہی کی خاطر آتے تھے' وہاں کوئی سیاسی یا فرقہ وارانہ بات تو تھی نہیں۔

دورانِ سال ہم نے یہ ارادہ بھی کیا ہے کہ دورۂ ترجمۂ قرآن انگریزی میں بھی ریکارڈ ہو جائے' کیونکہ متعدد جگہوں سے اس کی فرمائشیں کی گئی ہیں۔ اس ضمن میں میں نے شکاگو کے احباب کے ساتھ طے بھی کر لیا تھا کہ اس سال میں وہاں پر یہ پروگرام کروں گا' لہٰذا اس وعدے کی رُو سے اس سال مجھے وہاں جانا بھی تھا۔ مگر بعد میں میں نے محسوس کیا کہ رمضان المبارک کے دوران یہ میرے لئے قطعی ممکن نہیں ہوگا' کیونکہ کوشش کے باوجود انگریزی میں میری رفتار اتنی تیز نہیں ہو سکتی کہ ایک رات میں ایک پارے یا سوا پارے کا ترجمہ مکمل ہو سکے۔ پھر یہ کہ شکاگو میں حاضرین کہاں سے آئیں گے؟ دو چار افراد کو دیکھ کر تو آدمی کی طبیعت ویسے بھی آمادہ نہیں ہوتی۔ دریں حالات اب میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ جب بھی موقع ملا میں ان شاء اللہ وہاں جا کر منتخب نصاب کے دروس انگریزی میں ریکارڈ کرا دوں گا۔

اس کے علاوہ جو بات پیش نظر تھی اور جو 'میثاق' اور 'حکمتِ قرآن' میں چھپ چکی

om

ہے' وہ یہ کہ اس کام کے لئے وہاں سے نوجوان آئیں۔ وہاں سے اگر ایسے نوجوان آ کر قرآن سیکھیں گے جو وہیں کے پلے بڑھے ہوں اور وہیں کے لب و لہجے میں بات کر سکتے ہوں تو وہ وہاں واپس جا کر قرآن کی دعوت کو مؤثر انداز میں پیش کر سکیں گے۔ جیسا کہ سورۃ التوبہ میں آیا ہے: "وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً" کہ اے نبیؐ تمام اہل ایمان کے لئے تو ممکن نہیں کہ اپنے گھروں سے نکل کر تعلیم و تربیت کے لئے آپ کے پاس مدینہ آ جائیں۔ "فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ○" پس ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر قبیلے میں سے ایک جماعت نکل آئی ہوتی کہ آپؐ کے پاس آ کر دین کی سمجھ پیدا کرتی اور جب تعلیم و تربیت کے بعد واپس اپنے لوگوں میں جاتی تو انہیں خبردار کرتی' انہیں دین کی تعلیم دیتی' تاکہ وہ اپنی غیر محتاط روش سے پرہیز کرتے! تو میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میری دعوت پر لبیک کہتے ہوئے شکاگو سے دو نوجوان تعلیمِ دین کے لئے یہاں آئے ہیں۔ ان کے یہاں آتے ہی یہاں پر موجود ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں نے انہیں طعنے دینے شروع کر دیئے کہ تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے؟ لوگ تو یہاں سے وہاں جاتے ہیں اور تم وہاں سے یہاں آ گئے!۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں استقامت اور دلجمعی عطا فرمائے۔ ایک اور نوجوان لندن سے مع فیملی آ چکے ہیں۔ بہرحال وہاں کے نوجوان آ کر یہ کام کریں گے تو ان شاء اللہ العزیز اس کے بہت دور رس اثرات نکلیں گے۔

اس کے علاوہ ہمارا ایک اہم پراجیکٹ خواتین کی تعلیم و تربیت کا ہے' اور خواتین کی طرف سے اس کا شدید تقاضا ہے۔ کراچی میں دورۂ ترجمۂ قرآن میں میری اہلیہ بھی شریک تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین اور نوجوان لڑکیاں وہاں آتی تھیں اور ان کی خواہش تھی کہ ہمارے لئے تعلیمِ قرآن کا کوئی مستقل بندوبست کیا جائے۔ لاہور میں بھی متعدد ایسی طالبات جن کا سٹوڈنٹس کی سطح پر بعض دینی سیاسی جماعتوں سے بھی تعلق رہا ہے' وہاں کی سیاسی سرگرمیوں سے بددل ہو کر قرآن مجید کی دعوت میں لگنا چاہتی ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ ان کے لئے انتظام کیا جائے۔ چنانچہ ظاہر بات ہے کہ ہمیں خواتین کے شعبے میں بھی خاصی توجہ دینی ہوگی اور ان کے لئے تعلیم و تعلّمِ قرآن کا

© rasailojaraid.co

معقول انتظام کرنا ہوگا۔

میں اپنی کتاب "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" میں تحدیث نعمت کے طور پر جو کچھ بیان کر چکا ہوں، اس میں کچھ مزید اضافہ کرنا چاہتا ہوں اور اس ضمن میں میں ایک نوجوان کی مثال پیش کر رہا ہوں۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سال بھی ایک سالہ کورس میں کئی اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان آئے ہیں، جن میں دو ایم۔ بی۔ بی۔ ایس شامل ہیں اور یہ واقعتہ آسان بات نہیں ہے کہ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کی تعلیم سے فارغ ہو کر انسان پھر حصول علم کے لئے کمربستہ ہو جائے کہ اب مجھے ایک سال کے لئے قرآن پڑھنا ہے اور عربی سیکھنی ہے، لیکن اس وقت میں خاص طور پر جس نوجوان کا ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ اب یہاں پورے دو سال لگا چکے ہیں۔ وہ امریکہ سے انجینئرنگ میں ایم۔ ایس کر کے آئے تھے اور یہاں ہمارے پاس آکر انہوں نے نہ صرف عربی سیکھی، منتخب نصاب پڑھا اور عربی کی تدریس کی اچھی استعداد حاصل کرلی، بلکہ اپنے طور پر ایم۔ اے فلسفہ بھی کیا۔ کیونکہ یہ کام اگر علمی سطح پر کرنا ہے تو اس کا تقاضا تو یہی ہے۔ یہ کوئی میکانکی یا عمارتی قسم کا کام تو نہیں ہے جس کا تعلق انجینئرنگ سے ہو۔ جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے مچھلیاں پکڑنے والوں سے یہ بات کہی تھی کہ آؤ، میں تمہیں انسانوں کو شکار کرنے کا طریقہ بتا دوں۔ انسانوں کے "شکار" کے لئے تو کوئی اور علم اور صلاحیت درکار ہے۔ چنانچہ انہوں نے دینی تعلیم کے حصول کے بعد ایم۔ اے فلسفہ بھی کر لیا ہے اور اگرچہ گزشتہ ایک سال سے وہ قرآن کالج میں تدریس کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں لیکن ان کا یہ ایثار قابل رشک ہے کہ اب تک وہ اپنا سارا خرچ اپنی جیب سے ہی کر رہے ہیں۔ آئندہ وہ ان شاء اللہ قرآن اکیڈمی کی فیلو شپ اسکیم کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بنیں گے۔ بہرحال ان نوجوانوں کا اپنے کیریئرز کو چھوڑ کر اس طرح آنا اچھی علامات میں سے ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ایسی مثالیں بکثرت سامنے آتی رہیں۔ **كَثَّرَ اللّٰهُ اَمْثَالَهُم**

"اے اہل قرآن، قرآن کو تکیہ نہ بنالو بلکہ رات اور دن کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے اور اس کی نشر و اشاعت کرو اور اسے خوش الحانی سے پڑھا کرو اور اس میں غور و فکر کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

(حدیث)